بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ
جل پری
ایک افسانہ ڈاکٹر سلیم ابوبکر کھانانی
خواب بھی عجیب ہوتے ہیں جان ہی نہیں چھوڑتے۔ بن بلائے آجاتے ہیں کبھی ہنساتے ہیں تو کبھی ایسا رلاتے ہیں کہ جاگنے کے بعد بھی دل میں چبھن اور روح میں کسک باقی رہتی ہے
ویسے خواب اچھے بھی ہوتے ہیں۔ نسل، مذہب، رنگ، دولت، شہرت، وجاہت کسی قسم کی تفریق و امتیاز کے بغیر سب کی آنکھوں میں اتر آتے ہیں۔ خواب یوسف علیہ السلام نے بھی دیکھا جو نبوت کا حصہ ہے اور علامہ ﷳ اقبال نے بھی جس کی جیتی جاگتی تعبیر ملک خدا داد پاکستان ہے.
لیکن سب خوابوں کی تعبیر نہیں خوش گوار نہیں ہوتی۔ کچھ خواب دیکھنے والی آنکھیں سہمی سہمی سی رہتی ہیں

رات کیا سوئے کہ ساری عمر کی نیند اڑ گئ
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگ کیا تعبیر کا

جب اقبال کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور پاکستان بنا تو کڑوڑوں
افراد کی دنیا ہی بدل گئ۔ اسلام کی محبت سے سرشار لاکھوں مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی۔ لاکھوں ہندو اور سکھ سرحد کی دوسری طرف گھر بار اور زمینیں چھوڑ کر رحلت پزیر ہوئے
یہ ہجرت کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ اس کی تاریک راہوں میں لاکھوں اپنی جان سے گئے اور ہزاروں باعفت دامن چاک چاک ہوئے۔
خالد کے آباء و اجداد بھی سب کچھ چھوڑ کر ہندوستان سے کراچی پہنچے۔ داغدار تن پر تین کپڑوں اور دل مضطر میں امیدوں کے علاوہ کوئ متاع اور کوئ سامان ان کے پاس نہیں تھا۔
خالد کے والدین کی عمر اس وقت دس بارہ سال کی ہوگی۔ دونوں خاندان پڑوسی تھے اور پڑوسی ہی رہے۔ ہندوستان میں ایک چھوٹا لیکن اینٹوں کا مکان دونوں کے پاس تھا لیکن جس سرزمین کی خاطر انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا وہاں انہیں ایک جھونپڑی اور مہاجر کا خطاب ملا۔
خالد کے ماں باپ کی شادی وہیں کھارادر کی ایک مسجد میں منعقد ہوئ۔ اماں نے پوری چار جماعتیں پڑھ رکھیں تھی اور اپنا نام اردو اور گجراتی میں لکھنے کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن پاک بھی پڑھ لیتی تھیں۔ اس سہانے دور میں لڑکی کی شادی کے لیئے اتنا ہی

کافی تھا۔
ابا آٹھویں جماعت میں تھے کہ ان کے والد ان کی والدہ اور دو کنواری بہنوں کو چھوڑ کر دنیا کی تمام تکالیف کو خیر باد کہ گئے۔
خالد کے والد کو انگریزی زبان، کرکٹ اور گانوں کا بے حد شوق تھا۔
سڑک پر آگئے لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ چپراسی بنے، دکانداروں کو ٹفن باکس پہنچانے کا کام کیا اور بالآخر اتنے پیسے جمع ہوگئے کہ اپنا ایک آلو چھولے کا ٹھیلا لگانے میں کامیاب ہوگئے
جو آلو چھولے بچ جاتے اس سے گھر والے رات کا کھانا کھا لیتے۔ کبھی کبھار تینوں وقت اسی پر گزارا کرنا پڑتا۔
ایک پرانا چھوٹا سا ٹرانزسٹر ریڈیو پانچ روپے میں خرید کر ابا اس پر کرکٹ کی انگریزی کومینٹری اور ریڈیو سیلون پر ہندوستانی گانے سنا کرتے
چھوٹے خالد کو طلعت محمود کا یہ گیت بہت پسند تھا

اتنا نہ مجھ سے تو پیار بڑھا کہ میں اک بادَل آوارہ
کیسے کسی کا سہارا بنوں کہ میں خود بے گھر بیچارہ

وہ سکول آتے جاتے اسے گنگناتا رہتا
یہی نغمہ طلعت اور لتا منگیشکر نے مل کر بھی گایا تھا۔ یہ دو گانا خالد اس جل پری کے ساتھ مل کر گاتا جو اس کے خوابوں میں روز آیا کرتی تھی

اس لیئے تجھ سے میں پیار کروں کہ تو اک بادل آوارہ
جنم جنم تیرے ساتھ رہوں ہے نام میرا جل کی داھارا

اس نے جل پری کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ جب بھی اپنے چہرے سے نقاب اتارنے جاتی خالد کی آنکھ کھل جاتی۔
وقت کا پہیئہ چلتا رہا اگرچہ کہ آلو چھولے کے ٹھیلے کے پہیئے ایک انچ آگے نہ بڑھے

The wheel may turn and still be forever still.

اللہ تعالی نے خالد کو باپ کی ذہانت اور ماں کی شرافت عطا کی تھی۔ ہر امتحان میں پوزیشن حاصل کرتے ہوئے اس نے انٹر سائنس میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی
اس زمانے کے بچے اپنے والدین کے ادھورے خواب مکمل کرنا اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے تھے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی کہ اس کے بچے ڈاکٹر یا انجینئر بنیں۔ تیسرا کوئ راستہ ہی نہیں تھا۔ اگر انٹر میں اچھے نمبر لینے کے باوجود داخلہ نہ ملا تو سمجھیں کہ زندگی وہیں رک گئ۔

خالد کا ڈاؤ میڈیکل کالج میں داخلہ پکا تھا لیکن ٹھیلے کی آمدنی مہنگائ کے تناسب سے
نہیں بڑھ پائ تھی۔ خالد کے والد کی کشمکش سمجھی تو جاسکتی ہے لیکن اس کا لفظوں
میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ خالد کو میرٹ کی بنیاد پر وظیفہ مل گیا۔
سال کے چوبیس سو روپے۔ مہینے کے پورے دو سو!
بیٹے کی قسمت باپ کی قسمت سے بہتر ہوگی یا پھر پندرہ سال کی چھوٹی عمر سے
سڑکوں پر پسینہ بہا کر اپنے گھر والوں کی کفایت کا صلہ
مل رہا ہوگا۔ خالد کے والدین سر با سجود ہوئے اور پڑوس میں مٹھائ بھی بانٹی
خالد کی قسمت میں سرجن بننا لکھا تھا۔ وہ اناٹمی میں بہت تیز تھا اور جلد ہی اس کی ہم
جماعت لڑکیاں ڈائ سیکشن ہال میں اس کے ارد گرد منڈلانے لگیں۔ خالد بھائ خالد بھائ
کی آوازیں اسے اچھی لگتیں لیکن دل چاہتا تھا کہ کوئ صرف خالد کہ کر پکارے۔
عموماً کالج بھائ کا دم چھلا چھوٹنے میں دو تین سال لگ ہی جاتے ہیں۔ سینیرز نے خالد
کو اپنے تجربے کی بنیاد پر تسلی دی۔
اس کی ہم جماعت لڑکیوں میں مہناز بھی تھی۔ مہناز اسم با مسمی سے بڑھ کر تھی۔ بڑے
گھر کی بیٹی مرسیڈیز میں کالج آتی جاتی۔
وہ جب بھی کالج کی سیڑھیوں سے سہیلیوں کو لے کر اترتی
تو ایسا لگتا تھا جیسے دل میں اتر رہی ہو
دن گزرتے رہے۔ کالج میں موسیقی کے مقابلے کا انعقاد ہوا۔ خالد نے بھی نصیب آزمانے
کا فیصلہ کیا۔
اتنا نہ مجھ سے تو پیار بڑھا کہ میں اک بادل آوارہ
خالد کی سریلی آواز کے ساتھ دیکھتی آنکھوں نے مہناز کی جھیل جیسی آنکھوں سے ایک
ننھا سا ستارہ گرتے دیکھا۔ سنتے کانوں نے ایک دبی سی سسکی بھی سنی ہوگی
جب خالد پہلا انعام لیکر اترا تو تالیوں کی گونج سے بڑھ کر مہناز کی آنکھوں میں رقص
کناں ستارے اس کا استقبال کر رہے تھے

Wow Khalid Bhai. You are fantastic! Let’s celebrate. I will give you a treat.

سپورٹس ایرینا سے منسلک کیفیٹیریا میں بند کباب اور کوک اسے جیتے ہوئے کپ سے
زیادہ قیمتی سرمایہ محسوس ہوا۔
رات کو پھر اس کے خواب میں جل پری آئ۔ پہلے سے حسین تر اس ملکۂ پر حجاب نے
وہی نغمہ اس کے ساتھ آواز سے آواز ملا کر گایا
جب وہ اس مصرع پر پہنچی

میں نے چھوڑ دیا ہے جگ سارا

تو اس کے پر انوار چہرے سے نقاب سرک گی
خالد کی آنکھ کھل گئ اور بے اختیار ہونٹوں پر ایک نام مچلنے لگا
اسے اس کی جل پری مل گئ تھی۔ وہی تو ہے جو بچپن سے اس کے تمام خوابوں کی رونق رہی ہے
اسے یقین ہوگیا کہ خالد بھائ سے صرف خالد تک کا سفر اب طے ہونے والا ہے
پرانے زمانے تھے تب ای میل کا تصور بھی شاید ہی کسی ذہن میں پل رہا ہو۔ ٹیلی فون ٹھیلے لگانے والوں کی قسمت میں نہیں لکھے ہوتے گو کہ اب سیل فون بلا امتیاز ہر ایک کی دسترس میں ہوتا ہے
ایک کاغذ پر دل کا حال کسی نہ کسی طرح الفاظ میں سمو کر کالج کی طرف روانہ ہوا۔ آج طلعت محمود کے افسردہ نغمے کی جگہ رفیع صاحب کا یہ گیت اس کے دل سے نکل کر ہونٹوں کی زینت بن گیا

یہ میرا پریم پتر پڑھ کر کے تم نا راض نہ ہونا

جل پریاں خوابوں کے زرخیز جزیروں میں تو اپنے جلوے بکھیرتی ہیں لیکن ان کے روپہلے جسم دن میں دھوپ کی تمازت برداشت نہیں کرسکتے،پگھل جاتے ہیں
مہناز کالج نہیں آئ۔ ایک دن ، دو دن، تین دن
خالد کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ خط کے الفاظ کچھ دھندلے سے پڑنے لگے۔
”خالد بھائ آپ کچھ کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہیں۔“
مہناز کی ایک سہیلی نے گویا اس کے دل کا چور پکڑ لیا ہو
کچھ ڈرتے ہوئے کچھ جھجھکتے ہوئے خالد نے پوچھ ہی لیا
”کچھ دنوں سے مہناز کالج نہیں آ رہی۔ خیریت تو ہے ناں؟“
”ارے اس کی تو پرسوں شادی ہورہی ہے۔ آپ کو نہیں بلایا اس نے؟“
خط میں لکھے ہوئے الفاظ مٹ چکے تھے۔

”میرا جیون کورا کاغذ کورا ہی رہ گیا“

فلموں والے ہر سچویشن پر ایک گانا بنا دیتے ہیں۔ ناکام عاشق کھائے پیئے بغیر رہ سکتا ہے لیکن کچھ گائے بغیر زندگی کی دوڑ کٹ سی جاتی ہے
جل پری نے خوابوں میں آنا چھوڑ دیا اور ڈاکٹر بننے تک خالد نے پھر نہ کبھی بند کباب کھایا اور نہ ہی کوک پی